12

کامل ایمان اور کامل توکّل پیدا کرو تا کہ نئی زندگی پاؤ

(فرمودہ 4 /اپریل 1947ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے بچپن سے ہی بولنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور میں حسبِ موقع بغیر اس بات کے کہ مَیں نے پہلے سے مضمون کی تیاری کی ہو بسا اوقات گھنٹوں بول سکتا ہوں۔ لیکن کبھی انسان پر ایسا وقت آ جاتا ہے جب بولنا اُسے دوبھر معلوم ہوتا ہے اور بات کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے اور آج مَیں اپنے آپ کو اُسی حالت میں پاتا ہوں جیسے بیمار کے سامنے جب کھانا آتا ہے تو وہ اس سے بے رغبتی کا اظہار کرتا ہے اور بسا اوقات اسے اچھے کھانے کو دیکھ کر متلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی مَیں آج تقریر کرنے اور بولنے سے بے رغبتی محسوس کرتا ہوں اور صرف جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اِس وقت سخت مصائب اور مشکلات میں سے گزر رہے ہیں اور ان کا ازالہ سوائے اللہ تعالیٰ کے فضل کے نہیں ہوسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنا ہماری قربانیوں اور ایثار پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسان کے لئے اپنا فضل نازل کرتا ہے اور اس کی مشکلات کو دور کرتا ہے اور انسان کے لئے ترقی کے راستے کھولتا ہے لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ انسان سے قربانی اور ایثار اور ایمان اور توکّل کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب انسان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتا ہے۔ لیکن جب تک انسان اپنے پاس کی چیز کو سینے سے لگائے رکھتا ہے اور اپنے بخل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے قربان کرنے کو تیار نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ بھی

اُس وقت تک اپنے فضلوں کے دروازے کھولنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور اتنے احسانات اور اتنے فضلوں کے باوجود جس شخص کے دل میں کامل ایمان اور کامل توکل پیدا نہیں ہوتا وہ نئی زندگی پانے کا مستحق نہیں ہوتا۔ اور اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل نازل نہیں ہوتا۔ اور وہ شخص اس قابل نہیں کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا ہاتھ بڑھے۔ پس اعلیٰ قربانی کے مقام کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرو اور اپنے نفسوں میں تبدیلی پیدا کرو۔ ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ ہم قربانی کر کے دنیا کی بہترین قوم بھی بن سکتے ہیں اور قربانی سے اعراض کر کے دنیا کی ذلیل ترین قوم بھی بن سکتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین وجود بھی بن سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکا کر مغضوب علیہم گروہوں میں بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل، سمجھ اور آنکھیں دی ہیں۔ ہم ان دونوں رستوں میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ اور اگر باوجود عقل رکھنے کے ہم ان دونوں رستوں میں فرق کرنے کو تیار نہیں تو ہماری تباہی اور بربادی میں کوئی شک نہیں۔ اور اس تباہی اور بربادی کا الزام اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں آئیگا بلکہ ہماری اپنی ذات پر آئے گا کیونکہ ہم نے خود ذلت اور بربادی کی تحریر پر دستخط کئے ہوں گے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کا شکوہ کرنا بے جا اور ناواجب ہوگا کیونکہ ہم نے خود اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو رڈ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ناپاک انجام سے بچائے اور ہر قسم کی کمزوریوں سے نجات دے اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اپنے آپ کو فنا کر کے ایک ایسی زندگی حاصل کریں جو کہ انسان کو غیر فانی وجود بنا دیتی ہے۔''

حضور جب خطبہ ثانیہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا:۔

''جیسا کہ قاعدہ ہے کہ شوریٰ کے موقع پر نماز ظہر وعصر جمع کر کے پڑھائی جاتی ہے آج بھی نماز ظہر وعصر جمع کر کے پڑھاؤں گا اور اس کے بعد کچھ جنازے پڑھاؤں گا۔

ان میں سے پہلا جنازہ بابو عبد الرحمٰن صاحب امیر جماعت انبالہ کا ہے۔ بابو عبد الرحمٰن صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابی تھے اور نہایت مخلص اور نیک انسان تھے۔ منشی رستم علی صاحب کی تبلیغ سے آپ احمدی ہوئے اور پھر اس کے بعد تمام عمر جماعت کی تربیت میں مصروف رہے۔ ان کی زندگی نیکی اور تقویٰ کی ایک مثال تھی۔ ایسے لوگوں کا گزر جانا قوم کے

لئے ابتلاء کا موجب ہوتا ہے۔ اور آنے والی نسلوں کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی یاد کو اپنے دلوں میں تازہ رکھیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ان کے روحانی وجود کو دنیا میں قائم رکھیں۔

دوسرا جنازہ سیٹھ محمد غوث صاحب کا ہے۔ مجھے ان کے متعلق یہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ آپ صحابی تھے یا نہیں تھے۔ حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں میری ان سے واقفیت ہوئی اور مَیں جب حج کے لئے گیا تو مَیں نے ان کو بمبئی میں دیکھا کہ اُس وقت انہوں نے ایسے اخلاص اور محبت کا ثبوت دیا کہ اُسی وقت سے ان کے تعلقات میرے ساتھ خانہ واحد کے تعلقات ہو گئے۔ مَیں اپنے سامان کی تیاری کے لئے جہاں جاتا وہ سائے کی طرح میرے ساتھ لگے رہتے اور جہاز تک انہوں نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کا اخلاص اتنا گہرا تھا کہ عبدالحی صاحب عرب نے (جن کو مَیں اپنے ساتھ بطور ساتھی کے لے گیا تھا) ایک دفعہ پانی پینے کے لئے ایک خوبصورت گلاس نکالا۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ یہ پہلے تو آپ کے پاس نہیں تھا اب آپ نے کہاں سے لیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ مجھے سیٹھ صاحب نے لے کر دیا تھا کہ جب اس میں پانی پیو گے تو مَیں یاد آ جاؤں گا۔ اُس وقت ان کو میرے لئے دعا کے لئے یاد کرا دینا۔ دوسری دفعہ جب مَیں بمبئی گیا تو سیٹھ صاحب پھر حیدر آباد سے بمبئی پہنچ گئے۔ حالانکہ حیدر آباد سے بمبئی بارہ چودہ گھنٹے کا رستہ ہے لیکن پتہ چلتے ہی فوراً وہاں پہنچ گئے اور آخر دن تک ساتھ رہے۔ بلکہ مجھے ان کا ایک لطیفہ اب تک یاد ہے۔ وہ ایسے ساتھ ہوئے کہ ان کا ساتھ رہنا میری طبیعت پر گراں گزرنے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم جہاں جاتے، جب کھانے کا وقت آتا وہ اُسی جگہ کسی اچھے سے ہوٹل میں تمام قافلہ کے لئے کھانے کا انتظام کر دیتے اور کھانا کھانے پر مجبور کرتے۔ آخر میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو حد سے زیادہ مہمان نوازی ہوگئی ہے۔ ایک دن میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ سیٹھ صاحب کو کیوں ساتھ لے لیتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں وہیں کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اور اب تو مہمان نوازی بہت لمبی ہو چکی ہے۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ آج وقت سے دو گھنٹہ پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں تا کہ جب سیٹھ صاحب آئیں تو ان کو ہمارے متعلق علم نہ ہو سکے۔ ہم لوگ موٹروں میں بیٹھ کر دو گھنٹہ سے پہلے ہی گھر سے روانہ ہو گئے۔ کچھ دور جا کر پھر ہم ریل میں

سوار ہوئے۔ جب ریل اُس اسٹیشن پر جا کر کھڑی ہوئی جہاں ہم نے اُترنا تھا تو ہم نے دیکھا کہ سیٹھ صاحب بھی وہاں کھڑے ہیں۔ جب ہم اُترے تو انہوں نے آتے ہی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اور کہا چلئے کھانا تیار ہے۔ ہم حیران ہوئے کہ ان کو ہمارے پروگرام کا کس طرح علم ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے جب بھی بمبئی جانے کا اتفاق ہوا سیٹھ صاحب بھی بمبئی پہنچ جاتے اور قیام کے دوران میں میرے ساتھ رہتے۔ اِس عرصے میں ان کی بیویوں کے میری بیویوں سے اور ان کی بچیوں کے میری بچیوں سے اور میرے بچوں کے ان کے بچوں سے تعلقات ہو گئے اور آہستہ آہستہ یہ تعلقات ایک گھر کی مانند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے بچوں اور بچیوں میں بھی بہت اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے رہا ہے۔ ان کے بڑے لڑکے محمد اعظم صاحب سیکرٹری مال ہیں اور جماعت کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے بیٹے معین الدین صاحب ہیں وہ حیدرآباد میں خدام الاحمدیہ کے قائد ہیں اور تیسرا بچہ ابھی چھوٹا ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اور ان کی لڑکیوں کے میری بیوی امۃ الحی مرحومہ سے بھی بہت تعلقات تھے۔

تیسرا جنازہ میاں عبد اللہ خاں صاحب کوہاٹ کا ہے۔ ان کو فوت ہوئے سالہا سال گزر گئے ہیں۔ ان کے جنازے کے متعلق جو تشریح ہے اس میں مَیں اِس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میری خلافت میں یہ پہلی مثال ہے کہ مَیں ایک شخص کا اُس کی موت کے دس پندرہ سال کے بعد جنازہ پڑھا رہا ہوں اور پھر ایسے شخص کا جنازہ پڑھا رہا ہوں جو کہ مقاطعہ کی حالت میں فوت ہوئے۔ میاں عبد اللہ خان صاحب نے اپنی لڑکی اپنے ایک غیر احمدی رشتہ دار سے بیاہ دی۔ اور اس اصرار سے بیاہی کہ ہمارے ہاں تبلیغ مؤثر ثابت نہیں ہو رہی اور مَیں چاہتا ہوں اس طرح لڑکا احمدیت کے قریب ہو جائے گا اور احمدیت کو قبول کر لے گا۔ یہ قدرتی بات ہے ہم نے ان کے اس طریق کو بہانہ سمجھا اور ان کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا۔ ان کا بچہ یہاں مدرسہ احمدیہ میں پڑھتا تھا اور وہ میر محمد اسحاق صاحب کے زیرِ احسان تھا اور اب تک بھی وہ میر صاحب کی بیوی کو امّاں جی کہہ کر پکارتا ہے۔ جب اس کے والد فوت ہوئے تو وہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے والد صاحب نے غیر احمدیوں کو لڑکی دی تھی جس پر اُن کا مقاطعہ ہوا تھا لیکن وہ

آخر تک احمدیت پر قائم رہے آپ ان کا جنازہ پڑھائیں۔ مَیں نے کہا یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ چونکہ وہ مقاطعہ کی حالت میں فوت ہوئے ہیں اس لئے میں ان کا جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ وہ لڑکا روتا ہوا چلا گیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ قادیان سے بھی باہر چلا گیا۔ بعض لوگ تو جان بوجھ کر گناہ کرتے ہیں لیکن بعض لوگوں کا گناہ بھی نیک نیتی پر مبنی ہوتا ہے۔ اور میاں عبداللہ خان صاحب کی کیفیت بھی یہی تھی کہ انہوں نے بھی یہ جُرم نیک نیتی سے کیا تھا۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مرتے دم تک جماعت میں شامل ہونے کا اعلان کرتے رہے اور جماعت کے خلاف نہ ہوئے۔ ورنہ اکثر لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب اُن کو جماعت کی طرف سے کوئی سزا دی جاتی ہے تو بجائے اِس کے کہ وہ توبہ واستغفار کریں جماعت کے خلاف ہو جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہاری پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن ان کے دل میں اخلاص تھا اور انہوں نے اِسی نیت سے لڑکی کا رشتہ دیا تھا کہ مَیں احمدیت کے لئے ترقی کا راستہ کھولنے لگا ہوں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کو پورا کیا ہے۔ وہ لڑکا فوج میں گیا اور ہوتے ہوتے کپتان ہو گیا۔ اور اب جو مَیں سندھ گیا تو وہ کپتان صاحب مجھے حیدرآباد کے اسٹیشن پر ملنے کے لئے آئے اور انہیں احمدیت سے بہت حد تک عقیدت ہو چکی تھی۔ وہ اس طرح کہ دو چار مہینے ہوئے حیدرآباد میں ایک احمدی عورت ان کے گھر گئی۔ وہ عورت لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ اس نے ان کے گھر جا کر کہا کہ مَیں بچوں کو اردو پڑھا سکتی ہوں۔ اگر آپ بچوں کو اردو پڑھوانا چاہیں تو مَیں انہیں پڑھا دیا کروں؟ باتوں باتوں میں اس کپتان صاحب کی بیوی کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ عورت احمدی ہے۔ اس کے دل میں اِس بات کا احساس تو پہلے سے موجود تھا کہ مَیں ایک احمدی باپ کی لڑکی ہوں۔ چنانچہ اس میل جول سے کپتان صاحب کی بیوی کو احمدیت سے بہت زیادہ محبت ہو گئی۔ اور جب کپتان صاحب کو معلوم ہوا کہ یہاں بھی احمدی ہیں تو وہ بھی احمدیوں سے ملنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سامان کر دیا کہ وہاں کچھ نوجوان احمدی فوج میں بھی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت حد تک ان کی طبیعت احمدیت کے متعلق مطمئن ہو گئی۔ اور اب کراچی جاتے وقت حیدرآباد کے اسٹیشن پر وہ مجھے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے کہا کہ مَیں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ اب تو وقت کم ہے۔ ہم فلاں تاریخ کو کراچی سے واپس آئیں گے آپ اُس دن

جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ لیں۔ چنانچہ کراچی سے واپسی پر وہ حیدرآباد کے اسٹیشن پر مجھے ملنے کے لئے آئے اور کہنے لگے مَیں نے فیصلہ کرلیا ہے اب مَیں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں اسٹیشن پر ہی بیعت کی۔ پھر ہم وہاں سے اپنی زمینوں کی طرف چلے گئے۔ اب واپسی پر حیدرآباد کے اسٹیشن پر وہ بیوی سمیت ملنے کے لئے آئے اوران کی بیوی یعنی میاں عبداللہ خان صاحب مرحوم کی لڑکی نے مجھے کہا کہ اب تو آپ کا شکوہ دور ہوگیا ہے اور میرے خاوند نے بیعت کر لی ہے۔ اب تو آپ میرے والد صاحب کا جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ مَیں نے اُن سے وعدہ کیا کہ مَیں جنازہ پڑھوں گا۔ میرے دل نے محسوس کیا کہ گو خان صاحب مرحوم نے ایک غلطی کی تھی مگر کی ضرور نیک ارادہ سے تھی اِس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی کو نیکی سے بدل دیا اور وہ مستحق ہیں کہ ان کا جنازہ پڑھا جائے۔

چوتھا جنازہ ایک اَور دوست کا ہے جو کہ ایمن آباد میں فوت ہوئے وہاں بہت کم احمدی جنازہ پڑھنے والے تھے۔

پانچواں جنازہ ایک نوجوان ولی محمد صاحب کا ہے۔ دشمنوں نے ان کو مخالفت کی وجہ سے ضلع امرتسر میں قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ مخالفت دینی تھی یا دنیوی رنگ میں تھی۔ بہرحال اس کو ظالمانہ طور پر قتل کیا گیا ہے۔ وہ کھیت سے چارہ کاٹ کر سر پر اٹھائے آرہا تھا کہ دشمنوں نے پیچھے سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اور پھر اس سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ اردگرد کی احمدی جماعتوں نے ڈر کے مارے اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ بعض لوگ دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہیں اور دین کے مقابلہ میں اپنی جانوں کو زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ احمدیوں کو چاہیئے کہ جب ایک بھائی پر مصیبت آئے تو دوسرے اس کی مصیبت میں شامل ہوں تا کہ دشمن یہ محسوس کرے کہ احمدی لوگ اپنے بھائی کے لئے جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تا کہ آئندہ دشمن کو اس قسم کے افعال کی جرأت نہ ہو۔ یہ پانچ جنازے مَیں عصر کی نماز کے بعد پڑھاؤں گا۔'' (الفضل 2 مئی 1947ء)